بھی بولا گیا ہے جو اہلِ کفر سے جنگ کرتے ہوئے نہیں مارے گئے بلکہ یا تو اپنی موت سے مرے یا اپنی جان و مال و آبرو وغیرہ کو بچاتے ہوئے مارے گئے مثلاً :

من سأل الله الشهادة بصدق بلّغه الله منازل الشهداء وان مات على فراشه (رواہ مسلم واصحاب السنن عن سہل بن حنیف)

جو صدق دل کے ساتھ اللہ سے شہادت کا طلبگار ہوگا اللہ تعالیٰ اسے شہداء ہی کا درجہ عطا کریگا خواہ اسکی موت اپنے بستر ہی پر کیوں نہ ہو۔

من قتل دون ماله فهو شهيد ومن قتل دون دمه فهو شهيد ومن قتل دون دينه فهو شهيد ومن قتل دون اهله فهو شهيد ۔ (رواہ اصحاب السنن عن سعید بن زید)

جان، مال، دین اور اہل وعیال میں سے جس کو بھی بچاتا ہوا انسان مارا جائے (یا مرے) وہ شہید ہی ہوگا۔

من قتل دون مظلمة فهو شهيد ۔ (رواہ النسائی عن سوید بن مقرن)

جو شخص ظلم کا مقابلہ کرتا ہوا مارا جائے (یا مرے) وہ بھی شہید ہے۔

ان تمام روایات میں قتل سے یہ شبہہ نہ ہونا چاہیئے کہ کسی کے ہاتھ سے مارا جانا ضروری ہے۔ اگر کوئی شخص اپنے اہل وعیال یا مال کو پانی میں ڈوبنے سے بچاتا ہوا خود ڈوب جائے تو وہ بھی قتل میں داخل ہے۔ ان تمام روایات میں قدر مشترک یہی ہے کہ جو شخص اپنا کوئی فریضہ ادا کرتا ہوا جان کھو بیٹھتا ہے وہ حفظِ انسانیت کرتا ہوا ایک سچی عملی گواہی پیش کرتا ہے، لہٰذا وہ بھی شہید ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ انسان کے پاس اسکی سب سے زیادہ عزیز متاع اس کی جان ہوتی ہے جسے بچانے کیلئے حرام اشیاء کا استعمال بھی قرآن نے جائز کر دیا ہے۔ ایسی متاع عزیز اگر کوئی شخص ایک اعلیٰ مقصد کی راہ میں دے دے تو اس کے گواہ و شہید ہونے میں کیا شبہہ ہو سکتا ہے؟ اسکا اجر اتنا بے حساب ہے کہ یہاں اس دنیا میں اس کا کوئی اندازہ ہی نہیں کر سکتا۔ اس کے اجر کا کچھ اندازہ اس روایت سے ہو سکتا ہے۔ جو اصحاب سنن نے براء سے یوں نقل کی ہے :

اتى النبى صلى الله عليه وسلم رجل مقنع بالحديد فقال يا رسول الله أقاتل او أسلم؟ فقال أسلم ثم قاتل فأسلم ثم قاتل فقتل فقال صلى الله عليه وسلم عمل قليلا واجر كثيرا ۔ (مسلم، بخاری عن البراء)

ایک شخص (آہن پوش) جو لوہے میں غرق تھا حضورؐ کے پاس (بموقع احد) آیا اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ میں قتال کروں یا اسلام لے آؤں؟ حضورؐ نے فرمایا کہ پہلے اسلام لاؤ پھر قتال کرو۔ چنانچہ وہ اسلام لایا اور قتال کرتا ہوا مارا گیا۔ حضورؐ نے فرمایا کہ اس کا عمل تو برائے نام ہی تھا لیکن

اس مردِ خدا کو ایک وقت کی نماز بھی ادا کرنیکا موقع نہ ملا تھا، مگر صرف ایک اعلیٰ مقصد کیلئے جان دے دینا اتنی بڑی عبادت تھی کہ سارا ثواب لوٹ لے گیا ـــــ اسی اجر بے حساب کا ذکر مذکورہ صدر حدیث میں ہے کہ کوئی مرنے والا جنت میں جاکر دنیا کی طرف رُخ کرنا بھی پسند نہیں کرتا لیکن شہید کو جو انعام الٰہی ملتا ہے وہ اتنا زیادہ ہوتا ہے کہ وہ دنیا میں آکر بار بار مرنے اور یہ بے حساب صلہ پانے کی تمنا کرتا ہے۔ یہی کیا کم انعام ہے کہ قرآن نے اسے مردہ کہنے اور مردہ سمجھنے دونوں سے روک دیا ہے اور اسے زندہ (احیاء) قرار دیا ہے۔ یہ اس شہید کا انعام نہیں جو اپنی موت سے مرا ہو۔ یہ اس شہید کا انعام ہے جو راہِ خدا میں لڑتا ہوا مارا جاتا ہے۔

سوال و جواب

عرفانِ خداوندی

محترم مدیر صاحب "طلوعِ اسلام" کراچی تحریر فرماتے ہیں کہ: "مجلّہ ثقافت بابت ماہ ستمبر ۱۹۵۵ء میں "عقل عرفانی" یا "عرفانِ خداوندی" کے موضوع پر محترم ڈار صاحب کا مقالہ دیکھا۔ میں سمجھتا ہوں کہ مناسب ہوگا کہ اس باب میں طلوعِ اسلام کا مسلک و موقف بھی قارئین ثقافت کے سامنے آجائے۔ موجب شکر گزاری ہوگا اگر آپ ان سطور کو اپنے مجلّہ میں شائع فرما دیں۔

(۱) طلوعِ اسلام کا مسلک یہ ہے کہ:

(ا) قرآن کریم نے خدا پر ایمان کا مطالبہ کیا ہے، عرفان کا نہیں۔ اس لئے کہ عرفانِ خداوندی یعنے ذاتِ خداوندی کی کنہ وحقیقت انسان کے بس کی بات نہیں۔ خدا نے اپنے متعلق جو کچھ بتانا تھا وہ وحی کے ذریعہ (قرآن کریم میں) بتا دیا۔ جو کچھ اس میں بتایا گیا ہے اس سے آگے انسان جا ہی نہیں سکتا۔

(ب) قرآن کریم کی رو سے انسانی علم کے ذریعے دو ہیں۔ ایک وہ علم جو خدا کی طرف سے براہ راست ملتا ہے۔ اس میں انسانی فکر و شعور اور کسب و ہنر کا کوئی دخل نہیں ہوتا۔ قرآن کی اصطلاح میں اس علم کو وحی کہا جاتا ہے۔ یہ حضرات انبیائے کرام سے مخصوص ہوتا ہے اور کوئی غیر نبی اس میں شریک نہیں ہو سکتا۔ نبی اکرمؐ کے ساتھ سلسلہ نبوت ختم ہو گیا۔ اس لئے یہ ذریعہ علم بھی بند ہو گیا۔ اس ذریعۂ علم سے حقیقت کا جس قدر علم انسانوں کو دیا جانا مقصود تھا وہ قرآن کے اندر ہے اس میں اب نہ کوئی اضافہ ہو سکتا ہے نہ رد و بدل۔

دُوسرا ذریعہ علم عقل ہے جس میں تمام انسان شریک ہوتے ہیں۔ ختم نبوت کے بعد انسانوں کے پاس دو ہی ذرائع علم رہ گئے۔ ایک قرآن کریم اور دوسرا عقلِ انسانی۔ ادراکِ حقیقت عقل کے بس کی بات نہیں۔ نہ ہی یہ انسانی رہنمائی کیلئے کافی ہے۔ اب صحیح روشِ زندگی یہ ہے کہ انسان قرآنی حقائق کی روشنی میں اپنی عقل سے کام لیں۔

(ج) چونکہ ختم نبوت کے ساتھ براہ راست علم کا دروازہ بند ہو گیا ہے اس لئے اب خُدا سے براہ راست علم حاصل کرنے کا دعویٰ (خواہ اس کا نام الہام رکھ دیا جائے یا کشف یا کوئی اور نام) ختمِ نبوّت کی مُہر کو توڑنے کے مرادف ہے لہٰذا غیر قرآنی (بلکہ خلاف قرآن) تصوّر ہے۔

قرآن نے سمع و بصر (علم بذریعہ حواس) کے علاوہ فؤاد کا بھی ذکر کیا ہے لیکن اس سے مراد کوئی باطنی ذریعہ علم نہیں۔ اس سے مراد انسانی ذوق ہے جس کا تعلق جذبات سے ہوتا ہے۔ اسے وجدان بھی کہا جاتا ہے۔ محترم ڈار صاحب نے

اپنے مضمون میں محترم پرویز صاحب کی کتاب معارف القرآن (جلد دوم، طبع اوّل) سے وجدان کے ثبوت میں تائید پیش کی ہے۔ لیکن اگر وہ اس کے ساتھ ہی اس کتاب اور اس مقام سے یہ بھی نقل کر دیتے کہ وجدان ادراکِ حقیقت کا ذریعہ نہیں بن سکتا اور نہ ہی انسانی رہنمائی کے لئے کافی ہو سکتا ہے تو محترم پرویز صاحب کا صحیح مسلک قارئینِ ثقافت کے سامنے آ جاتا۔ ہمیں افسوس ہے کہ ڈار صاحب نے اپنی طرف سے یہ لکھ کر کہ

> جب خود قرآن کریم نے بقول پرویز صاحب قلب یا قلبی واردات کو (جس کو ثقافت نے عرفانِ نفس کا نام دیا ہے) منبع علم صحیح قرار دیا ہے ...... تو پھر ہم یہ سمجھنے سے قاصر ہیں کہ طلوعِ اسلام کو عرفانِ نفس اور عرفانِ ذاتِ خداوندی کو دین کا مقصود سمجھا جانے پر کیوں اعتراض ہے

پرویز صاحب کی طرف ایک ایسے تصوّر کو منسوب کر دیا ہے جس کی وہ ہمیشہ تردید کرتے رہتے ہیں۔ پرویز صاحب نہ تو خود کو قلبی واردات سمجھتے ہیں، اور نہ ہی عرفانِ ذاتِ خداوندی کو دین کا مقصود۔ وہ ان تمام باتوں کو غیر قرآنی سمجھتے ہیں۔

(۲) اسی طرح محترم ڈار صاحب کا یہ کہنا کہ :-

> اب اس کی روشنی میں طلوعِ اسلام کا یہ نقطۂ نگاہ کہ محض عقلی طریقے سے ادراکِ حقیقت ہو سکتا ہے کس قدر بے معنے رہ جاتا ہے۔

خود طلوعِ اسلام کی طرف ایک ایسے تصور کو منسوب کرنا ہے جس کی وہ ہمیشہ تردید کرتا چلا آ رہا ہے۔ طلوعِ اسلام کا مسلک یہ ہے کہ ادراکِ حقیقت عقل کے بس کی بات نہیں، نہ ہی یہ انسانی رہنمائی کے لئے کافی ہو سکتی ہے۔ اِس باب میں زیادہ نہیں تو کم از کم اس "مقصد اور مسلک" ہی کو ایک نظر دیکھ لیا ہوتا جو طلوعِ اسلام کی ہر اشاعت میں ٹائیٹل کے ہر صفحہ پر نمایاں طور پر شائع ہوتا ہے۔

(۳) ڈار صاحب نے وارداتِ قلب (یا براہِ راست علم) کی تائید میں قرآن کی یہ آیت بھی پیش کی ہے :

وما کان لبشر ان یکلمہ اللہ الا وحیاً او من ورائ حجاب او یرسل رسولاً فیوحی باذنہ ما یشاء۔

اور اس کا ترجمہ کیا ہے :

> اور کسی انسان کی یہ حیثیت نہیں کہ خدا اس سے ہم کلام ہو مگر یہ کہ وحی سے، یا پردے کے پیچھے سے، یا کسی قاصد کو بھیجے اور وہ خدا کے حکم سے اس کی منشاء کے مطابق اس کے دل میں ڈال دے۔

ہمیں یہ دیکھ کر افسوس ہوا کہ اپنے خیال کی تائید کی غرض سے ڈار صاحب نے قرآنی آیت کا بھی غلط مفہوم پیش کر دیا۔ ادارۂ ثقافت کے ایک اور رُکن محترم سید جعفر شاہ صاحب اس آیت کا ترجمہ یوں کرتے ہیں :

> کسی بشر کے لئے یہ ممکن نہیں کہ اللہ تعالیٰ اس سے گفتگو کرے، بجز اس کے کہ بذریعہ وحی ہو، یا پسِ پردہ